

## وزیر آغا کی نظموں کا ماورائی تناظر

### EXTRA PERSPECTIVE OF WAZIR AGHA'S POEMS

ڈاکٹر مجاہد حسین

لیکچرار اُردو، گورنمنٹ دیال سنگھ ڈگری کالج، لاہور

#### Abstract:

When a great poet, writer or penman takes us from the world of matter to the immaterial world, his artwork or creation in the form of a tahir gives happiness. A truth is revealed. If the separation from the ordinary brings in the extraordinary, then this creation becomes a prelude to contemplation and deliberation with satisfaction for the reader. Because he takes his listener or reader for a while to a unique world beyond the 'material world'. The beauty of great literature is its familiarity with extraordinary things. The search for the extraordinary is called 'transcendence'. In his poems, Wazir Agha takes the reader away from the visual world where a completely different world is inhabited. Those worldly material ideas are completely different from the terrestrial realm. There is no doubt that in his book 'The Mood of Urdu Poetry' he calls poetry a terrestrial object. But it is a terrestrial mind in which 'transcendence' is also connected with mental harmony. The first open expression of the transcendental aspect in his poems is found when the reader reads so a unique world and an extraordinary statement amazes him.

#### Keywords:

Creative reader, Transcendence, Trivia, Expression, Confrontation, Wonder, Unique world, Imagination, Extraordinary abilities, Perception of poetry

ماورائیت بنیادی طور پر فلسفیانہ اصطلاح ہے۔ یہ تنقیدی اصطلاح ہر گز نہیں ہے۔ تنقید میں چونکہ کئی دوسرے علوم کی اصطلاحات مستعمل ہیں لہذا اسے بھی اسی تناظر میں لیا گیا ہے۔ اس کے بے شمار پہلو ہیں لیکن بڑی چیز جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ایک مادہ ہے اور ایک جوہر ہے۔ مادہ کی اپنی صورت ہے، شکل ہے، بدن ہے لیکن جوہر ایک Essence ہے، اسے گر امر، سسٹم یا اصل الاصول بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال ہاکی میچ سے دی جاسکتی ہے جس میں کھلاڑی ہاکی، گیند اور دیگر لوازمات کے ساتھ میدان میں کھیل رہے ہیں۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ جو اپنا مادی وجود رکھتی ہیں لیکن ان کے ساتھ Essence بھی موجود ہے جو سسٹم کی صورت میں ہے۔ اگر سسٹم یا قواعد کو میچ سے منہا کر دیا جائے تو سب کچھ بد نظمی کی نظر ہو جائے گا۔ گو یہ مادہ نہیں لیکن اس کے بغیر مادہ اپنی کارکردگی نہیں دکھا سکتا۔

بعض مفکرین کا خیال ہے کہ یہ کائنات مادہ ہے، بعض اصل کی نقل سمجھتے ہیں جب کہ بعض نے اسے 'مایا' قرار دیا ہے جس سے مراد یہی ہے کہ جو کچھ آپ کو نظر آ رہا ہے وہ حقیقتاً کچھ نہیں بلکہ فریبِ نظر ہے۔ بادی النظر میں ماورائیت اور مادیت کو ایک ہی چیز کے دو پہلو یا ایک ہی سکہ کے دو رخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم خالصتاً ماورائیت میں چلے جائیں تو مادیت منہا ہو جاتی ہے۔ مادیت سے ہیئت بنتی ہے، صورتیں بنتی ہیں۔ اگر اسے منہا کر دیا جائے تو کچھ بھی سامنے نہیں آئے گا، لیکن اگر مادیت کے اندر جوہر، نہیں ہے تو پھر بھی یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو زندگی کے مسائل اور خیالات کا تعلق عموماً دو حصوں سے ہوتا ہے۔

(۱) ارضی مسائل یعنی وہ خیالات، حالات و واقعات ہوتے ہیں جن کا تعلق ارض و معروض سے ہے اور جو زمان و مکاں کی دست رس میں آتے ہیں۔

(۲) دوسرے مابعد الطبیعیاتی مسائل ہوتے ہیں جو تاریخ، سماج، ثقافت اور تہذیب سے بلند تر ہوتے ہیں اور زمین و زمان، زمان و مکاں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ماورائی دنیا کا تعلق طبعی وجود کی بجائے خیالات، بلکہ مطلق خیالات سے ہوتا ہے۔ گویا اگر کہا جائے کہ انسان کے حواس سے ماورای چیزیں 'ماورائیت' کی ذیل میں آتی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ وزیر آغا کی نظموں میں 'ماورائیت' کس انداز میں جلوہ گر ہے، اس کا تجزیہ سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک بڑا شاعر، ادیب یا قلم کار جب ہمیں مادے کی دنیا سے غیر مادی دنیا میں لے جاتا ہے تو ایک تخیل کی صورت میں اس کا فن پارہ یا تخلیق خوشی عطا کرتی ہے۔ ایک سچ کھلاتا ہے۔ معمول سے علیحدگی اس میں غیر معمولی پن لاتی ہے تو یہ تخلیق قاری کے لیے طمانیت کے ساتھ تفکر اور تدبر کا پیش خیمہ بھی بنتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے سامع یا قاری کو تھوڑی دیر کے لیے 'مادی دنیا' سے پرے ایک انوکھی دنیا میں لے جاتا ہے۔ بڑے ادب کی خوبی غیر معمولی چیزوں سے آشنائی ہے۔ معمولی سے غیر معمولی کی تلاش 'ماورائیت' کہلاتی ہے۔ وزیر آغا اپنی نظموں میں قاری کی نظری و بصری دنیا سے اسے یک دم دور لے جاتے ہیں جہاں ایک بالکل علیحدہ جہان آباد ہے۔ وہ دنیا مادہ خیالات ارضی ڈگر سے یکسر ہٹ کر ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی تصنیف 'اردو شاعری کا مزاج' میں شعر کو ارضی شے قرار دیتے ہیں لیکن یہ ایسا ارضی ذہن ہے جس میں 'ماورائیت' بھی ذہنی تطابق سے مربوط ہوتی ہے۔ ان کی نظموں میں ماورائی پہلو کا پہلا کھلم کھلا اظہار اس وقت ملتا ہے جب قاری پڑھتا ہے تو ایک انوکھی دنیا اور غیر معمولی بیان اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے اور وہ دانتوں میں انگلی دا بے غور و فکر کے لمحات میں اسی دنیا میں غواصی کرنے لگتا ہے۔

زمین کی گدڑی کے سارے پیوند

اپنے اندر سمٹ گئے تھے

ستارے اب میرے روبرو تھے

ستارے جیسے کروڑوں اربوں چمکتے جگنو

کہ زرفشاں تھے

مگر ستارے بھی ہولے ہولے مٹ رہے تھے

سفر نے بے انت روشنی کا

سفید چوہہ پہن لیا تھا

کوئی بھی رستہ نہیں بچا تھا

سفر، حدود سفر سے آزاد ہو گیا تھا (۱)

وزیر آغا کی نظموں میں تخیل سے غیر معمولی انسلاک اور مستحید کے ذریعے کائناتی صداقتوں تک دستک دے کر خود اپنے اندر عرفان و آگہی کے سرچشموں تک رسائی ملتی ہے۔ یوں جب آگہی کے یہ سرچشمے سامنے آتے ہیں تو ایک تصوراتی

روح تحقیق، جلد ۲، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ ۶۰، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۲۳ء

کائنات اپنے وجود کا احساس دلانے لگتی ہے اور ایک ایسی شعری دنیا کی تخلیق کرتی ہے جو تجسس اور تحیر کو بیدار کر کے اپنی جانب منعطف کر لیتی ہے۔

ماورائیت کسی بھی چیز کو مطلق حیثیت میں دیکھنے کے بجائے ماورائے حواس دیکھتی ہے جس میں نظر و بصر اور ذائقہ و لمس کو چنداں دخل نہیں ہوتا۔ یہ دنیا بالکل الگ اور ماورائے وجود ہوتی ہے۔ بعینہ اس پل کے جسے ایک انجینئر دیکھتا ہے تو اس کے سٹرکچر، میٹرل، بناوٹ اور معیار کی نشان دہی کرتا ہے، اس پر خرچ کا تخمینہ بھی لگا سکتا ہے، گویا وہ پل کو اُس کی مطلق حیثیت میں دیکھتا ہے، مگر جب ایک اعلیٰ درجے کا متخیر رکھنے والا شاعر اسے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو ایک سنگم ہے جو دو دنیاؤں کو ملارہا ہے، دو کناروں کا وسیلہ میلاپ ہے، اگر نہ ہو گا تو دونوں دنیاؤں کا مقدر علیحدگی ہوگی۔ یہی معمولی سے غیر معمولی تخلیقی سفر اسے 'ماورائیت' سے آشنا کرتا ہے۔ پڑھنے والا جب ایسی چیز پڑھتا ہے تو معمول سے ہٹ کر اسے طمانیت اور خوشی ملتی ہے اور کھکھلاتے سچ کو کھکھلاتے چہرے کے ساتھ عیاں کر دیتا ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں یہ ماورائی صورت کئی جگہ اپنے مخصوص انداز میں موجود ہے جہاں وہ چلتے چلتے تھوڑی دیر کے لیے ایسی کائنات کا رخ کرتے ہیں جہاں قاری اٹک جاتا ہے اور جہاں سے معنیات کے کئی سلسلے نکلتے ہیں:

میں بیلوں کے کتبے کا اکلوتا وارث

اپنے تن کی کہنہ عمارت سے چھٹا ہوں

لانے، پتلے سانپوں ایسے ہاتھوں سے میں

دیواروں پر رنگ رہا ہوں

دروازوں سے لپٹ رہا ہوں

تاریکی کے بے آواز سمندر کو چھوتا ہوں

نامعلوم کے پردوں تک بڑھ جاتا ہوں

پھر کچھ آگے

ناموجود کے بھاری در سے نکل جاتا ہوں (۲)

وزیر آغا کا ماورائی تناظر ہمیں اُس پُر اسراریت کی طرف بھی لے جاتا ہے جہاں ہوا اپنی علامتی صورت میں سرگوشیاں کرتی چلتی ہے۔ جہاں 'آواز' اپنے علامتی روپ میں دکھتی ہوئی کرچیوں اور بھنبھناتی ہوئی شہد کی مکھیوں کی صورت میں ملتی ہے۔ اس میں کتنے ہی اور کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں، یہ نظموں کے مطالعہ کے بعد ہی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ 'اسرار' کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

”اسرار کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ پورے طور پر گرفت میں نہیں آتا، تاہم آدمی جب اسے مس کرنے

میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو آدمی کی تنگ اور گھٹی ہوئی دنیا میں حیرت انگیز اور مسرت آمیز کشادگی پیدا

ہو جاتی ہے، مگر اسرار کی ایک یہ خصوصیت بھی ہے کہ وہ جلد غائب بھی ہو جاتا ہے اور آدمی پھر سے اپنی

تنگ اور سپاٹ دنیا میں لوٹ آتا ہے مگر آدمی کا اندر، اسرار سے مس ہونے کے نایاب تجربے کو نہیں بھول

سکتا۔ وہ خواہش کرتا ہے کہ اسرار میں تحلیل ہو کے بے کراں ہو جائے یا اسرار سمٹ کر اس کے وجود میں

سراپت کر جائے۔“ (۳)

ہو اکا کوئی مادی وجود نہیں بلکہ یہ ایک غیر مرئی شے ہے۔ وزیر آغا کی نظم ’المیہ‘ میں اس کی پُر اسراریت ایک دو شیزہ کے روپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ ’ہوا کہتی رہی۔ آؤ‘ میں بھی شاعر اسرار کی طرف رسائی کرتا ہے۔ نظم ’ہوا اگر میرا روپ دھارے‘ میں بھی اسی نوعیت کی پُر اسراریت نمایاں ہے اور وزیر آغا اسی پُر اسراریت کے اندر رچی رہے ہیں۔

ہو اسے کیسے کہوں کہ میری یہ سانس تو ایک واہمہ ہے

ہزاروں کالی نجیف جو نکلیں

مرے بدن سے چٹ گئی ہیں

بدن کے ساغر کو پی رہی ہیں (۴)

وزیر آغا کے فن کا کمال یہ ہے کہ غیر مرئی اشکال بھی واضح اور شناسا نظر آنے لگتی ہیں اور قاری انھیں اپنے وجود

کے ساتھ مست ہوتے محسوس کرتا ہے۔ بقول ہلرا ج کومل:

” وزیر آغا کے یہاں ایک ایسی پُر اسرار موجودگی ہے جو بیک وقت پیکر آشنا بھی ہے اور ماورائے جسم بھی ہے،

مسلسل کار فرما ہے، جب یہ پُر اسرار موجودگی پیکر میں ڈھلتی ہے تو کبھی یہ گلاب ایسے بدن کا یا پتے کا یا شعلے کا یا

ناگ یعنی سانپ کا یا غرغل کا یا شال کاروپ لے لیتی ہے یا ایسی تصویر کا جس میں جانے پہچانے زمینی رنگ اور

غیر ارضی سائے گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ وزیر آغا کی تازہ نظموں اور غزلوں میں کار فرمایہ موجودگی بالآخر ایک ایسی

آواز کاروپ اختیار کر لیتی ہے جو ایک سوالیہ نشان کی صورت میں فکری، ذہنی اور روحانی تلاش اور تجسس کی

آئینہ دار ہے۔“ (۵)

بلاشبہ ہر اچھی تخلیق اپنے باطن میں اسرار کا ایک گور کھ دھندہ ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے لیے پرت در پرت

کھولنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ اس عمل میں قاری کو شاں ہوتا ہے اور تخلیق کار رہبر کا کردار ادا کرتا ہے۔

وزیر آغا کی نظموں میں ’آواز‘ بھی ماورائیت کی نمائندہ ہے جس کا کوئی مادی وجود نہیں ہے۔ اپنی پُر اسراریت

کے باعث علامتی صورت میں ان کی نظموں کی جان ہے، جہاں حیرت پھولتی ہے اور قاری کو نظم کے اندر کھونے اور اپنے

باطن میں غواصی پر حد درجہ مائل کر دیتی ہے۔ یہ صورت ان کی نظم ’کبھی آواز اک ریشم کی ڈوری تھی‘ سے بخوبی عیاں

ہے۔ نظم ’تیری آواز کا ساگر سنائی دے‘ بھی لگ بھگ اسی ماورائی تناظر میں تخلیق ہوئی ہے۔ وزیر آغا کے ہاں ’چہکار‘ کی

صورت بھی ملتی ہے اور آنسوؤں میں بھیگی ہوئی گلوگیر پکار بھی بن کر سامنے آتی ہے۔ یہاں وہ قاری کو اُس دنیا کی سیر کرتے

ہیں جو تخیلاتی ہے جہاں وہ قاری کو سوچتا ہوا چھوڑتے ہیں۔ وہ اس نئی دنیا میں گھومنے لگتا ہے تو یادوں میں کپٹی گزرے دنوں

کی جھنکار اسے اپنے دامن میں لے لیتی ہے اور پھر اندر اور باہر کی آوازوں کی لہریں ارتعاش کی صورت میں اسے حد درجہ

متحرک کر دیتی ہیں۔ وہ لطف محسوس کرتا ہے۔ یہ ان دیکھی دنیا ہے۔ اس ان دیکھی دنیا کے مناظر کی شدت ان کے مجموعہ

’زردبان‘ میں نسبتاً زیادہ ہے۔ ان کی نظموں ’دست بستہ کھڑا ہوں‘، ’دھوپ‘ اور ’اک سیال سونے کا ساگر‘ جہاں دیگر کی

تخلیقیت کا عمدہ اظہار یہ قرار دی جاسکتی ہیں۔

عجب روشنی ہے

اندھیرے کے کسکول میں کسی نے سونے کا دینار پھینکا

کہ کلیاں شعاعوں کی کھلنے لگیں

روح تحقیق، جلد ۲، شماره ۳، مسلسل شماره ۶، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۲۳ء

سارے جنگل کے پتے زمر دبنے، ٹہنیاں پیلے سونے کی چھڑیاں ہوں  
سات رنگوں کی پریاں انوکھا سا اک رقص کرنے لگیں  
اور پھر میں نے دیکھا

کہ میں اپنے ہی روبرو دست بستہ کھڑا ہوں

میں تاریک جنگل میں خود اپنے ہی پر تو سے اندھا ہوا ہوں (۶)

ایسی کئی پُر تھیر اور پُر اسرار کیفیات کا اظہار ان کی نظموں میں ملتا ہے جہاں ماورائیت کا دائرہ اس قدر وسعت اختیار کرتا ہے کہ مابعد الطبیعیاتی کیفیات کی انوکھی شدت نمایاں ہونے لگتی ہے۔ بقول ارمان نجفی:  
”ان کی تیسری آنکھ ان مناظر کے پار بھی دیکھ لیتی ہے ہم جنہیں دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے۔“ (۷)  
وہ ان دیکھے جہانوں میں غواصی کرتے اور قاری کو ہم زاد بناتے ہیں وہ بھی اسی طرح کہ قاری اُن اسرار میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

وزیر آغا کے ہاں معلوم سے نامعلوم کا سفر، نامعلوم کی دریافت اور اس کے اسرار کو آشکار کرنے کی تمنا موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جہان کے اندر ایک اور جہان بھی موجود ہے جسے ہم اپنی کائناتی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے لیکن شاعر ہمیں وہاں لے جاتا ہے جو دنیا بظاہر ہمارے سامنے نہیں ہوتی۔ اقبال جب ’دیدہ بینا‘ کا تقاضا کرتا ہے تو اس کے نزدیک دنیاوی آنکھ سے حقیقت تک رسائی ممکن نہیں بلکہ حقیقت اصل یہ کہ دیکھنے کے لیے ’دیدہ بینا‘ کی ضرورت ہے اور حقیقت مطلقہ یا اصل الاصول سے روشناس وہی شاعری کر سکتی ہے جس میں نامعلوم کو دریافت کرنے کے ساتھ پُر اسراریت بھی موجود ہو۔ وزیر آغا کی نظموں کے ماورائی پہلو پر ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

” وزیر آغا کی نظموں میں نامعلوم کو دریافت کرنے کا عمل ایک غالب رجحان کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے سامنے ایک وسیع کائنات پھیلی ہوئی ہے۔ دھرتی کے نشیب و فراز، ندیوں کی آوارہ خرامی، پہاڑوں کی خود سری، دریاؤں کا تلاطم، صحراؤں کی وسعت اور میدانوں کا پھیلاؤ سب اس کائنات کے متنوع مظاہر ہیں لیکن ان سب کے پیچھے ایک خود کار قوت موجود ہے جو نظر نہیں آتی اور جس کا اسرار نہیں کھلتا، لیکن جس کے جادوئی عمل نے پوری کائنات کو اپنے محیط میں لے رکھا ہے اور ازل سے اسے ایک مخصوص نظام کے تحت چلا رہی ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں فطرت کے اس ازلی اور ابدی روپ کو دیکھنے اور اس کے اسرار سر بستہ کو آشکار کرنے کی خواہش فطری انداز میں نمودار ہوتی ہے۔“ (۸)

بلاشبہ باطن کی غواصی ناممکن ہے لیکن جب شاعر غوطہ زن ہوتا ہے تو وہ قاری کو بھی اس دنیا میں لے جاتا ہے۔ باطن میں غواصی ان کی نظموں کے ساتھ ان کے انشائیوں میں بھی ملتی ہے۔ ان کی نظموں ’عکس‘، ’جب آنکھ کھلی میری‘، ’روشنی‘، ’بیکراں وسعتوں میں تنہا‘ اور ’نشر گاہ‘ میں ان کا تخلیقی عمل انوکھے اسرار سامنے لاتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

کروڑوں برس کی مسافت پہ پھیلا ہوا سارا عالم

صدائوں کی لہروں کی اک چیچتی نشر گاہ بن چکا تھا

فقط اپنے ہونے کا اعلان کرتا چلا جا رہا تھا

اعلان کس کے لیے تھا

تخاطب کا رخ کون سی سمت میں تھا

تجھے کیا خبر ہے (۹)

نظم مذکورہ میں وہ پُر تھیر لہجے میں اسرار کا سامنا کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہیں اور استفہامیہ انداز میں خود سے سوال کرتے ہیں۔ دراصل اپنے وجود کو، وجود سے باہر محسوس کرنا، انکشافِ ذات یا عرفانِ ذات کی ایسی منزل ہے جو کسی خاص ذہن یا روحانی کیفیت کے وسیلے سے وجود میں آتی ہے۔ یہ نظم ان کے مجموعہ ’زردبان‘ میں ہے جہاں ان کا ذہن ایک عجیب و غریب جہان دیگر کی دریافت کرنے لگتا ہے۔

تخلیقی عمل بذاتِ خود ’ماورائیت‘ ہے جو عالمِ غیب سے جنم لیتا ہے۔ وزیر آغا اس عمل کے پانچ مختلف مراحل بتاتے ہیں جس کا پہلا مرحلہ تخلیق کار کے اعمال میں منفعل نسلی و عصری تجربات کی ایک جائی کا ہے۔ دوسرا مرحلہ ان تجربات کے ٹکراؤ کی طوفانی صورت ہے، تیسرا مرحلہ نزاجیت کا ہے، جب کہ چوتھا مرحلہ جست کا ہے جو نزاج یا بے ہیتی کے اندر سے ایک کوندے کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ پانچویں مرحلے میں کوندا تخلیق میں تقلیب حاصل کرتا ہے۔ یہ سارا عمل کسی مادی تجربے کی صورت میں یا کیمیکلز کے ملاپ کی صورت رونما نہیں ہوتا بلکہ سائنسی یا ارضی تجربات سے بالکل ماورا ہوتا ہے جہاں کسی لیبارٹری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس عمل کے دوران میں ایک جہان دیگر ہر لمحہ طلوع ہوتا ہے جو سابقہ دنیاؤں اور جہانوں سے اپنی وضع، نوعیت اور انفرادیت میں چنداں مختلف ہوتا ہے۔ اس کی یہی انفرادیت، یہی نئی صورت، یہی جہانِ نو ’ماورائیت‘ کہلاتا ہے۔ وزیر آغا کے ہاں تخلیقی عمل کی مذکورہ بالا صورت موجود ہے جہاں ایک طرف عالم آب و گل کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ان کی تخلیق میں مدد ثابت ہوتا ہے وہاں دوسری طرف ان کا رجوع تخلیقی باطن کی طرف ہوتا ہے جو ظاہر یا موجود سے بالکل ماورا ہوتا ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں اس جہانِ نو کے کئی مناظر ملتے ہیں۔

ابھی پانی نے بھاری ابر کا چوٹہ نہیں پہنا

ابھی بادل نہیں گر جا، ابھی کوندا نہیں اُترا

ابھی سینے کے اندر

رائیگاں جانے کا بس احساس ابھر رہا ہے

ابھی تو دھند پھیلی ہے، ابھی تو حرف کچھلے ہیں

ابھی حرفوں نے جڑ کر لفظ کی صورت نہیں پائی

قیامت آنے والی تھی مگر اب تک نہیں آئی (۱۰)

نظم تخلیقی عمل سے شاعر کے تعلق خاطر کو ظاہر کرتی ہے۔ بقول ارمان نجفی:

”تخلیق کاری کا معاملہ دراصل قلبِ ماہیت کا ہے جس کا آغاز بے ہیتی (Chaos) سے ہوتا ہے جس کے اندر

سے کسی لکیر یا مبہم سی پرچھائیں کا خاکہ ابھرتا ہے، تخلیق کار جس میں رنگ بھر کے اسے تشخص عطا کرتا

ہے۔“ (۱۱)

وزیر آغا کے ہاں تخلیقی عمل کے بعد کی سرشاری اور لمحہ مسرت کا عکس بڑے واضح اور نیچرل انداز میں ملتا ہے۔

قاری کو تخلیقی عمل میں اس طرح شریک کرتے ہیں کہ کائناتی آنکھ کی بجائے شعری آنکھ سے جہانِ نو کے نظارے کرنے لگتا

روح تحقیق، جلد ۲، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ: ۶، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۲۳ء

ہے۔ نظم 'مجھے بھی نصب ہونا ہے' میں شعری کردار اپنی موت سے باخبر ہونے کے باوجود اس کے آگے جھکنے کو تیار نہیں، یہاں پھر کوئی پراسرار باطنی قوت نمودار ہوتی ہے جو اسے زندگی کی معنویت سے آشنائی عطا کرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے سے بچاتی ہے۔ 'سلوٹ' اور 'کھلونے' بھی اسی نوعیت کی تخلیق قرار پاتی ہیں۔

انسان کے دائرہ حواس سے ماوراجیزیں 'ماورائیت' کی ذیل میں آتی ہیں۔ سچائی، حسن، خداوندی، عقائد، عبادات اور مذہبی تصورات، جنت، دوزخ، تقدیر، فرشتے، جزا اور سزا کے سبھی عوامل ماورائی تناظر کی نشان دہی کرتے ہیں جن کو حیات کے ذریعے ہی پرکھا جاسکتا ہے۔ جدید اردو نظم کے دیگر شعراء کی طرح وزیر آغا کی نظموں میں بھی مذہبی عقائد اور تصورات کی یہ جہت نمایاں صورت میں ملتی ہے۔ ویسے بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے کی ہے کہ مذہبی عقائد، اقدار اور عبادات کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا۔ 'نارنمود' میں پھینکے گئے حضرت ابراہیم کا صحیح و سلامت رہنا اور آگ کا گل و گلزار بن جانا اورائے عقل ہے، گویا جہاں عقل کا پیمانہ اپنی آخری حدوں کو چھوتتا ہے وہاں سے روحانیت کی ابتدا ہوتی ہے۔ روحانیت کی دنیا مطلق جہان دیگر ہے جسے کائناتی آنکھ دیکھنے سے قاصر ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں 'ماورائیت' کی یہ صورت ملاحظہ ہو:

جو مزہ چاہت میں ہے  
حاصل میں اس کا ڈھونڈنا بے کار ہے  
ہو کہاں تم، کس جہاں میں  
کیوں مجھے معلوم ہو  
دھند میں ہو، خواب میں  
یا آسمان کی قوس میں  
یا موج کی گردش میں ہو  
تم ہاتھ کی ریکھا کے اندر ہو کہیں  
یادور۔ سناٹوں کے ٹکراؤ سے پیدا  
ان سنی آواز کی ریزش میں ہو  
چاہے کہیں بھی ہو  
مری چاہت کے پھیلے بازوؤں کے  
حلقہ نموہوم میں موجود ہو (۱۲)

الغرض وزیر آغا کی نظموں میں جہاں ارضیت اپنی پوری تنگ و تاز کے ساتھ موجود ہے وہاں 'ماورائیت' بھی ان کی تخلیقیت کا لازمی حصہ ہے۔ ان کے ہاں یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔ اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ جدا نہیں کیا جاسکتا۔ مثل اس ستوں کے جس پر روشنی پڑے گی تو سایہ نکلے گا، لیکن اگر روشنی کے زیادہ پر تو پڑیں گے تو زیادہ سایے نکلیں گے۔ بعینہ اگر مادیت پر ماورائیت کے زیادہ پر تو پڑیں گے تو اتنے ہی زیادہ پہلو نکلیں گے جتنی اچھی نظم ہوگی معنیات کے اتنے ہی سلسلے نمایاں ہوں گے۔ آدمی یا آرٹسٹ بذات خود تمام چیزوں کا ملغوبہ ہے۔ اب یہ ہے کہ جتنا بڑا آرٹسٹ ہوگا، اس کے متخید کی براہینجستگی سے معنیات کے کئی پہلو نظر آئیں گے۔ اچھی شاعری وہ ہوتی ہے جس میں اس کا ایک سایہ نہ ہو بلکہ زیادہ سایے ہوں جو تہ داری کی حامل ہو اور جس سے ایک نئی دنیا سامنے آجائے۔ اس میں یادوں کے سلسلے براہینجستگی

روح تحقیق، جلد ۲، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ: ۶، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۲۳ء

ہوں۔ وزیر آغا کی نظموں میں ارضیت اور ماورائیت کا جڑاؤ موجود ہے۔ ان کے قدم زمین کے ساتھ چپکے ہوتے ہیں اور نظریں آسمان کی طرف۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو منعکس کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں آمنے سامنے ہوتے ہیں تو عکسوں کا ایک لامتناہی سلسلہ وجود میں آجاتا ہے جو انھیں ہم عصر نظم نگاروں سے ممتاز بناتا ہے۔ ان کی نظموں کی درج بالا جہات انھیں جدید اردو نظم نگاری میں اختصاصی حیثیت عطا کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

### حوالے

- (۱) وزیر آغا، نردبان، (سرگودھا: مکتبہ اردو زبان، ۱۹۷۹ء)، ۳۹، ۳۰۔
- (۲) ناصر عباس نیر، دن ڈھل چکا تھا، نظموں کا تجزیاتی مطالعہ، (سرگودھا: مکتبہ اردو زبان، ۱۹۹۶ء)، ۶۲۔
- (۳) وزیر آغا، نردبان، ۷۴۔
- (۴) بلراج کومل، وزیر آغا کا تخلیقی سفر، مشمولہ وزیر آغا اہل قلم کی نظر میں، ۳۹۔
- (۵) وزیر آغا، نردبان، ۶۱۔
- (۶) ارمان ٹنچی، بیاض شب و روز، کاغذی پیرہن، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۵۶۔
- (۷) انور سدید، وزیر آغا۔ ایک مطالعہ، (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۳ء)، ۱۸، ۱۹۔
- (۸) وزیر آغا، نردبان، ۵۲۔
- (۹) وزیر آغا، عجب اک مسکراہٹ، ۱۸، ۱۷۔
- (۱۰) ارمان ٹنچی، بیاض شب و روز، ۸۷۔
- (۱۱) وزیر آغا، چناہم نے پہاڑی راستہ، کاغذی پیرہن، لاہور، ۱۹۹۹ء، ۲۵۔
- (۱۲) رفیق سندیلوی، امتزاجی تنقید، مضمون مشمولہ کاغذی پیرہن، لاہور: وزیر آغا نمبر، ۲۰۰۹ء، ۷۳۔

